* تنویر غلام حسین
* * غلام مصطفی

ہندو صنمیات: اسلام اور ہیر وارث شاہ

Abstract:

This article lays foundation that any mythology is imaginary and can only explain story tales; they are not linked with logic at all. These stories are not bound by logic or scientific reasoning. Even though, humans have progressed a lot and have pushed the limits of knowledge and innovation they still relate themselves to these myths because these stories have been a part of their past. Mythology has foundational importance in language and literature because in Yonani, Arabian, Irani and Hindu regions mythology has a very important place in literature. Quran narrates a very vivid and comprehensive explanation of mythology. The word 'asateer ul awaleen' has been used in Quran in many places. Surah Inam, Al-Anfal, Nahal, Momeenoon, Furqan, Al-Qalam are a few surahs to name here. Islam clearly stated that these mythologies are just stories of people from the past when they were not knowledgeable enough. Mythologies are superstitious believes, visions and blames which became a part of people's religions and believes with time. They don't have any historical importance other than that. Here we have to clarify that when we study different civilizations we find many similarities, and they point towards monotheism and the start of human history was based on mythology so why should we deny from it. This article also discusses the foundation of Hinduism based on their religious scriptures, literature and mythologies.

Keywords: *Al-Quran, Mythology, Story tales, Innovation, Yonani, Arabian, Irani, Hindu, similarities*

صنمیات یعنی دیومالا یا اساطیر کو انگریزی زبان میں مائیتھالوجی Mythology کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے۔ لیکن اختصار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے قصّے کہانیاں جن میں دیومالائی اور مافوق الفطرت عناصر پر مبنی واقعات بیان کیے جائیں انھیں عربی زبان میں اسطورہ، اردو میں صنمیات اور انگریزی میں

متھ Myth کہا جاتا ہے۔اساطیر عربی لفظ اسطورہ ہی کی جمع ہے ۔اس لفظ کی مزید وضاحت کے لیے یہاں چند آرا پیش کی جارہی ہیں:

ڈاکٹر آرزو چودھری کے بقول:

"متھ یونانی لفظ مائی تھس (Mythos) سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معانی گفتہ چیز یا منہ سے کہی ہوئی بات ہے جو ایک تقریر یا کہانی ہو سکتی ہے۔ تاہم خاص اصطلاع میں کسی دیوتا کی زندگی کے حالات اس کے کارنامے یا مہمات پر بنی کہانی کو متھ کہتے ہیں۔"(1)

ڈاکٹر سہیل بخاری اردو داستان میں متھ کو کچھ اس انداز میں تحریر کرتے ہیں:

"متھ وہ فرضی قصہ ہے جس میں مافوق الفطرت مخلوقات، حرکات یا واقعات کا بیان ہوتا ہے اور جو قدرتی یا تاریخی مظاہر سے متعلق کوئی عام خیال پیش کرتا ہے اساطیر کا واحد مقصد کسی رسم، عقیدے، ارادے یا مظاہر قدرت کی تشریح کرنا ہوتا ہے۔ میلی نو وسکی کہتا ہے کہ اساطیر کسی سماجی رسم یا عقیدے کا ازمنہ قدیم کی کسی بہتر، زیادہ اعلیٰ اور زیادہ مافوق الفطرت حقیقت میں سراغ لگا کر اسے مستحکم بناتی اور اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتی ہیں۔۔۔کارل ملر کا اصرار ہے کہ دیومالا زبان کی ایک بیماری ہے اور دیوتاؤں کے نام مظاہر قدرت کے ناموں سے ملتے ہیں۔ تھسلی کے بوہمیرس کا خیال ہے کہ دیوتا ازمنہ قدیم کے قومی ہیرو ہیں جنھیں الوہیت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ایک تیسرے نظریے کی رو سے دیومالا وحشی زندگی اور اس کے تجربات سے متعلق ہے۔ بہر حال اساطیر کسی طرح بھی پیدا ہوئی ہوں، آگے چل کر انھیں مذہب کی حمایت حاصل ہو گئی اور اب یہ ہر قوم کی مذہبی میراث ہیں۔ان کا تعلق مذہبی رسوم وعقاید سے ہے۔ تاریخ کے ابتدائی زمانے ہی سے انسان کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس کے مذہبی قصّے تشریح طلب ہیں، چنانچہ ان کی تشریح کی کوششیں ہر قوم میں ہوتی چلی آ رہی ہیں۔"(2)

فن بیون (Finn Bevan) نے متھ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"MYTH: A story that is not based in historical fact but which uses supernatural characters to explain natural phenomena, such as the weather, night and day, the rising tides, and soon. Before the scientific facts were known, ancient people used myths to make sense of the world around them."(3)

رشید ملک اساطیر کی مفصل تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عربی زبان کا لفظ اسطورہ، فارسی کا اسطور اور انگریزی کا اسٹوری ان سب کے لیے یونانی زبان کا لفظ متھ استعمال ہوتا ہے۔اسطور کی جمع اساطیر ہے جس سے مراد بہت ساری اسطور ہیں لیکن

اس لفظ سے مراد اساطیر کا علم اور ان کا سائنسی اور تاریخی خطوط پر عمیق مطالعہ اور اساطیر کا ایک نظام بھی ہے جسے انگریزی میں 'میتھالوجی' کہتے ہیں۔ یہ انسانی علوم کا وہ شعبہ ہے جس کا منصب مختلف اقوام کی اساطیر کی تعبیر، تاویل، تجزیہ، تحلیل، تقابل اور ان کے دیگر شعبہ ہائے علوم سے تعلقات کا تعین ہے۔"(4)

درج بالا اقتباسات کی روشنی میں اساطیر کے مفہوم کی مزید وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ وہ کہانیاں جو منطق اور سائنس کی رو سے صداقت پر مبنی نہیں ہوتیں، غیر فطری ماحول، تخیلاتی کردار غرض مافوق الفطرت عناصر کی فراوانی ان کہانیوں کا اہم اور بنیادی جُز ہوتا ہے۔

ان تعریفوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس مضمون میں مائیتھالوجی کی روایتوں کا ہندو مائیتھالوجی، اسلام اور سیّد وارث شاہ کی معروف عشقیہ داستان "ہیر رانجھا" کے تناظر میں جائزہ لیا جائے گا۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ دورِ جدید کا انسان تہذیب و تمدن کی اعلیٰ سطح کی منزلیں طے کر چکا ہے لیکن اس سفر کا آغاز جنگلوں اور پتھروں سے ہی ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی انسان کے اتنی ترقی اور کامیابی حاصل کرنے کے باوجود ان بے معنی دیومالائی قصّوں اور مائیتھالوجی سے رغبت اس کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں زندہ ہو کر اس کے ابتدا سے تعلق کا پتہ دیتی ہے۔ خیر و شر کی جنگ دنیا کی ہر مائیتھالوجی کا بنیادی حصہ ہے۔ آج کا انسان بھی ان اساطیر کو براہِ راست یا کسی دوسرے واسطے سے استعاراتی اور علامتی انداز میں اہمیت دیتا ہے۔ زبان و ادب کے شعبے میں تو اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی، رومی، عراقی، عربی، ایرانی اور ہندو مائیتھالوجی کو عالمی ادب میں ایک معتبر مقام حاصل ہے۔

ہم قرآن کی روشنی میں جائزہ لیں تو اساطیر اور مائیتھالوجی کی درج بالا تعریفوں کی ہمارے دین کی رو سے ایک واضح اور جامع تعریف سامنے آتی ہے۔ قران مجید میں لفظ اَساطیر بیشتر آیات میں اَساطیر الاوّلین مرکب صورت میں آیا ہے۔ یہاں چند آیات سے امثال پیش کی جارہی ہیں تا کہ جامع تعریف سامنے آجائے:

ا۔ ﴿وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَآؤُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَآ إِلاَّ أَسَاطِيرُ الأَوَّلِينَ﴾

[انعام ٦: ٢٥]

ترجمہ: اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ ان تمام دلائل کو دیکھ لیں تو بھی ان پر کبھی ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ

جھگڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔

۲۔ ﴿وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَآ إِنْ هَذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الأَوَّلِينَ﴾[انفال۸: ۳۱]

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں، یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں۔

۳۔ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوآ أَسَاطِيرُ الأَوَّلِينَ﴾ [نحل۱۶: ۲۴]

ترجمہ: ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

۴۔ ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَآؤُنَا هَذَا مِن قَبْلُ إِنْ هَذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾[مومنون۲۳: ۸۳]

ترجمہ: ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے ہی سے یہ وعدہ ہوتا چلا آیا ہے کچھ نہیں یہ تو صرف اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

۵۔ ﴿وَقَالُوآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾[فرقان۲۵: ۵]

ترجمہ: اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھا رکھے ہیں بس وہی صبح و شام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔

۶۔ ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَآؤُنَا مِن قَبْلُ إِنْ هَذَآ إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾[نمل۲۷: ۶۸]

ترجمہ: ہم اور ہمارے باپ دادوں کو بہت پہلے سے یہ وعدے دیے جاتے رہے۔ کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں۔

۷۔ ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ [الاحقاف۴۶: ۱۷]

ترجمہ: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں تنگ آ گیا، تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا مجھ سے پہلے بھی امتیں گزر چکی ہیں، وہ دونوں جناب باری میں فریادیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایمان لے آ، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں۔

۸۔ ﴿إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾[القلم۶۸: ۱۵]

ترجمہ: جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصّے ہیں۔

۹۔ ﴿إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ [المطففین ۸۳: ۱۳]

ترجمہ: جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں۔

درج بالا آیات سے واضح طور پر عیاں ہے کہ یہ اگلوں کے فرضی، بے سند، دیومالائی قصّے، کہانیاں یا داستانیں ہیں۔ دین اسلام میں ان کی اہمیت صرف اسی قدر ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگلوں سے مراد زمانہ جاہلیت کے وہ لوگ ہیں جو جہاں مظاہر قدرت کی کوئی عجیب وغریب تاثیر دیکھتے، اس پر فریفتہ ہو کر اسے خدا سمجھ لیتے اور اس طرح ایک نیا دین وجود میں آجاتا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ زمانہ قدیم کے لوگ عقل وشعور اور متداولہ سے نابلد نہ تھے کیوں کہ کیمسٹری میں ان کی مہارت اس قدر مسلّم ہے کہ آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں بھی اس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی ہے۔ علم فلکیات میں ان کو اس قدر مہارت حاصل تھی کہ بغیر کسی دوربین یا خوردبین کے زمین پر رہتے ہوئے پانچ سیارے دریافت کر لیے جنھیں آج تک کوئی غلط ثابت نہیں کر سکا ہے۔ سورج کی پوجا اس لیے کی جاتی تھی کہ سورج سے لوگوں کو زندگی ملتی تھی۔ وہ اپنی عقل سے جان گئے تھے کہ جہاں سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں وہاں لوگوں کو زندگی ملتی ہے اور جہاں سورج کی شعاعیں نہیں جاتیں وہاں زندگی تو بہت دور کی بات وہاں نہ گھاس اُگتی ہے اور نہ ہی کوئی جانور زندہ رہتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر لوگ سورج کی پرستش کرنے لگے اسی طرح جب کچھ لوگوں نے دیکھا کہ مادی اشیاء کو آگ سے حرارت ملتی ہے اور آگ کے کمالات بہت زیادہ ہیں تو انھوں نے آگ کی پرستش شروع کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے اللہ کی واحدانیت بیان کرنے کے جرم میں نہ تو قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا بل کہ انھیں آگ میں ڈال دیا کیوں کہ آگ ہی ان کا خدا تھی، گویا انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے خدا کے سپرد کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔ مظاہر قدرت کی پرستش کا یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اس قدر وسیع ہو گیا کہ لوگوں نے جانوروں تک کو اپنا خدا بنا لیا تھا۔ مثلاً آج بھی ہندو گائے کو اپنا خدا مانتے ہیں اور اسے 'گائے ماتا' کہا جاتا ہے اسی طرح بندر کو مقدس سمجھ کر پالتے ہیں اور اسے 'ہنومان' کہتے ہیں۔ سری لنکا میں آج بھی ہاتھی کی پوجا ہوتی ہے۔ مصر میں ایک زمانے تک اہلِ مصر ہاتھی کو اپنا معبود سمجھتے رہے ہیں۔ اس قسم کی اور کئی امثال دنیا میں موجود ہیں۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ مِتھ وہ روایتیں ہیں جو پُر اسرار عقاید، توہمات اور دیومالائی قصوں وغیرہ کی تاویل پیش کرتی ہیں۔ ان کی اس کے علاوہ کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔ بیشتر یہ روایتیں مذہب کی فرگل اوڑھ کر کسی قوم کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

یوں بھی انسانی شعور اور تہذیب کے ارتقا کے تناظر میں ہندو مائیتھالوجی کا سائنسی انداز سے تجزیہ کرنا اس خطے کی بنیادی ضرورت بھی ہے۔ فی الحقیقت کسی بھی تہذیب کے ارتقا کا مطالعہ، خود کی تہذیب کے ارتقا کے مطالعہ کے لیے معاون ومدد ثابت ہوتا ہے۔ ہندو مائیتھالوجی کا مطالعہ اس لحاظ سے اور بھی اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تہذیب وثقافت میں صدیوں ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت حد تک ثقافتی سرگرمیاں گھل مل گئی ہیں۔ موجودہ دور میں اردو زبان وادب کے سنجیدہ طالبِ علم اس بات سے بہ خوبی واقف ہیں کہ قدیم ہندوستانی تاریخ اور تہذیب میں ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمانوں نے ان کی تہذیب سے خوشہ چینی کی ہے۔

اگرچہ دینِ اسلام کے مطابق مائیتھالوجی اور دیوی دیوتاؤں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن یہاں انسانی شعور اور تہذیب کے ارتقا کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ اور تجزیہ کرنا علمی مطالعے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مائیتھالوجی کا تجزیہ کرنا اس لحاظ سے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ دینِ اسلام کی برتری اور اللہ کی واحدانیت کو ثابت کرنے کے لیے دلائل منطق کی روشنی میں سامنے آجائیں۔ یہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی دیگر تہذیبوں کے مطالعے سے جہاں ان تہذیبوں میں مشابہتیں سامنے آتی ہیں وہیں اولاً ان تمام تہذیبوں میں اللہ کی واحدانیت کا تصوّر بھی ایک ہی ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جب انسان کی تاریخ کی ابتدا ہی مائیتھالوجی سے ہوتی ہے تو ہم اس کی اہمیت سے کیوں کر انکار کر سکتے ہیں۔ فی الحقیقت ایک خطے میں رہنے کی وجہ سے ہندو مائیتھالوجی کو جاننا خود کو جاننے کے مترادف بھی ہے۔

دنیا کی دیگر قوموں کی مائیتھالوجی خصوصاً ہندو مائیتھالوجی کا تاریخی اور ادبی اعتبار سے جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبد الحق لکھتے ہیں:

> "ہر قدیم چیز کے ساتھ کچھ نامعلوم قسم کا خوف، پُر اسراریت، تقدس، عقیدت مندی اور تحیّر کے عناصر لازماً شامل ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لیے ان دیومالائی کہانیوں سے اس قوم کا ادب بہت زیادہ اثر قبول کرتا ہے جس کے کلچر، مذہبی رسوم اور تہذیبی عوامل میں ان کہانیوں کے ہیروز اور ان کے اعمال وکردار قابلِ تقلید نمونہ سمجھے جاتے ہیں، یا جس کے جذبات واحساسات میں یہ فخر وتعلّی کی حد تک دخیل رہتے ہیں۔ یونانی اور لاطینی مائیتھالوجی نے یورپ کے مردوزن کے شعور کو اس حد تک متاثر کیا ہے کہ ان کا آرٹ اور لٹریچر بلکہ اندازِ فکر بھی اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکا۔ فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر ایرانی دیومالا کو محفوظ کر لیا اور اپنے کلچر کے رشتے ادب کے ساتھ جوڑ دیئے، عربوں کی قبل از اسلام اصنام پرستی عہدِ جاہلیت کی شعروشاعری کا جزولاینفک اور طرہ امتیاز ہے۔ اسی طرح چین، جاپان، روس، مصر، شام

وعراق، غرض ہر علاقے کے دیومالائی قصوں نے متعلقہ اقوام کے انفرادی اور اجتماعی کردار کو، جنگ اور امن دونوں مواقع پر متاثر کیا ہے۔ تاہم ہندوؤں کا دیومالائی ادب اس لئے منفرد اور اہم ہے کہ ایک تو یہ تقریباً تین ہزار سال سے مذہبی تقدس کے لبادے میں ملبوس اور ملفوف ہوکر آرہا ہے، دوسرے یہ ہندوؤں کے عقاید، فلسفے، مذہب، طرزِ زندگی، اندازِ فکر، کلچر، تمدن، اخلاقیات، قومی سیرت و کرداراور معاشی وسیاسی زندگی کے ہر پہلو کا واحد منبع اور مآخذ ہے۔ تاریخی اعتبار سے ہندو مائیتھالوجی کا تعلق ویدوں اور پُرانوں سے ہے جو ۱۵۰۰ق۔م اور ۷۰۰ق۔م کے دوران لکھے گئے ہیں، اگرچہ ان کی تصنیف کئی صدیاں پہلے کی بتائی جاتی ہے۔"(5)

فی الحقیقت ہندو مائیتھالوجی کا تعلق براہ راست ہندومذہب سے ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہندومذہب کا اجمالاً جائزہ لیا جائے تاکہ ہندی داستانوں کے مآخذات تک رسائی ممکن ہوسکے۔

ہندومذہب کی ابتدا اور تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر ہندو مذہب بذاتِ خود کوئی مذہب نہیں ہے جس طرح مسلم، یہودیا عیسائی مذاہب ہیں بلکہ یہ ایک ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کا مفہوم حق، سچ، نیکی اور قانون لیا جاتا ہے۔اس مذہب کے ماننے والے ہر فرد کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض کو سماجی اور اخلاقی سطح پر دیانت داری سے ادا کرے۔ہندو مذہب کے باقاعدہ طور پر کوئی اصول و قواعد متعین نہیں ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس مذہب میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے اور دنیا کے دیگر مذاہب کے نظریات وافکار کو خود میں سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔خود ہندوؤں کے نزدیک یہ دھرم زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے اور اس طریقے میں قدیم رِشیوں اور مُنیوں کے طرز اور احکامات کے مطابق زندگی گزارنا احسن فعل ہے۔اس مذہب کے بنیاد گزار ہندوستان کے مختلف علاقوں کے رشی اور مُنی تصوّر کیے جاتے ہیں۔ہندومذہب کے بانی کے حوالے سے پروفیسر محمد یوسف خان لکھتے ہیں:

"دنیا میں جتنے بھی بڑے اور قابلِ ذکر مذاہب ہیں ان کا کوئی نہ کوئی بانی ضرور ہے اور وہ کسی شخصیت کی طرف اپنا انتساب کرتے رہے ہیں لیکن ہندو مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کا بانی نامعلوم ہے اور کوئی ہندو بھی اس کے متعلق دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مجھے اپنے مذہب کا بانی معلوم ہے گو کہ ہندوؤں کی تاریخی کتابوں میں بعض مذہبی شخصیات کا حوالہ ملتا ہے لیکن ان میں سے ایک شخصیت بھی ایسی نہیں جس کی تعلیمات بعد کی ہندو فکر کا سرچشمہ بنی ہوں اور کامل یقین کے ساتھ کسی بھی شخص کو ہندومذہب کا موسس اور بانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔"(6)

یہاں تک کہ قدیم تاریخی کتب جن میں ان کی قدیم روایات محفوظ ہیں،ان میں بھی ان کے حوالے سے واضح معلومات نہیں ہیں۔اس کی بین وجہ یہ ہے کہ اس مذہب کی تشکیل میں بے شمار افراد کا حصہ ہے جن کی تعداد تک متعین نہیں ہو سکتی ہے۔علاوہ ازیں ان تاریخی کتب کے مصنفین تک نامعلوم ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں کسی عقیدے، مذہب، قانون یا رسم ورواج میں یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے۔دورِ جدید میں خود بھارت میں رہنے والے ہندو محققین میں کبھی اپنی قدیم تاریخ کے حوالے سے اتفاق نہیں پایا جاتا ہے نہ ہی وہ کسی تاریخی واقعہ کو صحت کے ساتھ ثابت کر سکے ہیں۔

لفظ 'ہندو' کو دیکھا جائے تو کم و بیش تمام ہندو محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی قدیم مذہبی کتب میں یہ لفظ مذہب کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے۔یہ لفظ دراصل ایک جغرافیائی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔علاوہ ازیں محققین کی غالب اکثریت اس بات پر بھی اتفاق کرتی ہے کہ لفظ ہندو، سندھ سے ماخوذ ہے اور سندھ کے اطراف میں بسنے والے لوگ ہندو کہلاتے تھے۔ہندو اپنی اصل کے اعتبار سے ایک فارسی لفظ ہے۔دورِ جدید میں ضرور اس لفظ کو مذہب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب باضابطہ طور پر ہندوستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں اس وقت وجود میں آیا جب آریا قوم نے یہاں کا رخ کیا۔اس سے پہلے ہندوستان میں ہندو مذہب کے باقاعدہ وجود کے بارے میں مستند آرا نہیں ملتی ہیں۔آریا قوم کی آمد سے پہلے ہندوستان میں دراوڑ قوم آباد تھی اور ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کے اولین نقوش ہمیں انھی کے یہاں ملتے ہیں۔موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے کھنڈرات اسی قوم کی عکاسی کرتے ہیں۔یہ قوم تقریباً آٹھ ہزار قبل مسیح میں ہندوستان وارد ہوئی۔اس قوم کے عقاید کے حوالے سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ایسے مظاہر فطرت جو کسی نہ کسی حوالے سے تخلیق سے تعلق رکھتے تھے یہ قوم ان کی پرستش کرتی تھی۔جادو ٹونے کو ان کے عقاید میں اہمیت حاصل تھی۔آریا قوم کی ہندوستان آمد کے ساتھ یہ دونوں قومیں ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں اور ان کے عقاید اور رسومات باہم مل گئے۔آریاؤں کی آمد ہندوستان میں اہم پیش رفت سمجھی جاتی ہے۔آریا قوم کون تھی؟ انھیں آریا کیوں کہا جاتا تھا؟ بقول پروفیسر محمد یوسف خان اصل میں آریا سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے بندگی کرنا، عبادت گزار ہونا، چوں کہ اس قوم کے ابتدائی افراد عبادت وریاضت میں بہت آگے تھے اس لیے انھیں آریا کہا جانے لگا جب کہ "مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا" میں لیوس مور اس کا ترجمہ عالی مرتبہ، معزز افراد لکھتا ہے جس کا اطلاق مہاجرین کے اس گروہ پر ہوتا ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں ایران سے سندھ وارد ہوئے۔[7] آریا قوم

کے اصل وطن اور ہندوستان آمد سے قبل ضروری ہے کہ ہندوستان میں آنے والی مختلف نسلوں کا اجمالاً جائزہ لیا جائے۔اس حوالے سے ڈاکٹر سینتی کمار چڑجی لکھتے ہیں:

"بہت قدیم زمانے سے مختلف نسلیں اپنی مختلف تہذیبیں لے کر ہندوستان میں آ آکر آباد ہوتی رہی ہیں۔انھوں نے اپنے نسلی ورثہ اور صلاحیت کے مطابق ایک منظم سماج اور تہذیب کی بنیاد ڈالی اور اپنے طریقِ زندگی اور تصوّرات کو فروغ دیا۔ان ہی میں بادیہ نشین اینگرٹو(Negrito)قبائل ہیں۔غالباً یہ قدیم ترین لوگ ہیں جنھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن قرار دیا۔۔۔ان کے بعد مغرب یعنی مغربی ایشیا سے آسٹرک (Austric) قبیلے آئے اوران کے بعد مغرب ہی سے دراویدی قبائل وارد ہوئے۔ آریا ان کے بعد آئے اور شمال مشرق نیز شمال سے تبت چینی قبائل درآئے۔یہ خاص خاص نسلیں تھیں(اور ان میں سے کسی کو بھی خالص اور بے میل نہیں کہا جاسکتا) جنھوں نے ہندوستانی قومیت اور تہذیب کی تشکیل میں بنیادی عناصر بہم پہنچائے۔۔۔ آسٹرک اور دراویدی نسل کے لوگوں نے ہندوستانی آبادی اور ہندوستانی سماجی و تمدنی زندگی کی اساس فراہم کی۔"[8]

جس طرح آریا قوم کے اصل وطن کے بارے میں کوئی مستند حقائق نہیں ملتے کہ ان کا اصل وطن کس علاقے کو قرار دیا جائے اسی طرح ان کی ہندوستان آمد کا زمانہ متعین کرنا بھی مشکل امر ہے کیوں کہ موٴرخین نے بھی آریاؤں کی آمد کا قیاسی تعین کیا ہے۔اکثریت کا گمان ہے کہ یہ لوگ ۱۷۰۰اور۱۲۰۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں ہندوستان وارد ہوئے۔تاریخی روایات کے مطابق ہندوستان آنے کے بعد آریاؤں نے شمالی ہندوستان کے علاقوں پر پڑاؤ کیا یہی وجہ ہے کہ یہ علاقہ آج بھی 'آریاورت' کے نام سے معروف ہے۔

آریاؤں کا اولاً مذہب کون سا تھا؟اس حوالے سے زیادہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں، لیکن موٴرخین اس بات پر متفق ہیں کہ ایشیائے کوچک میں آباد ہونے والے آریاؤں کا مذہب ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔یہ تمام لوگ مظاہرِ قدرت یعنی آگ، پانی، مٹی، سورج، چاند اور ستاروں وغیرہ کی پرستش کرتے تھے۔ان کی تاریخ اور مذہبی روایات سے متعلق مواد "وید" میں بیان ہوا ہے۔لیکن وید کے مرتب ہونے کا زمانہ آریا قوم کے ہندوستان آمد سے کافی عرصہ بعد کا ہے اور اس وقت تک یہ قوم ہندوستان کے مقامی مذاہب کے اثرات بھی کافی حد تک قبول کر چکی تھی۔یہی وجہ ہے کہ وید میں ان کے صحیح مذہب کا تعین کرنا مشکل ہے۔البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر آریاؤں نے مقامی لوگوں کے مذہب کا اثر قبول کیا تھا تو کچھ نہ کچھ اپنا اثر بھی ان لوگوں پر چھوڑا ہو گا۔آریاؤں اور ہندوؤں کو مذہب کی بنا پر الگ الگ کرنا خاصا دشوار عمل ہے۔

ویدی ادب میں آریاؤں سے متعلق درج ہے کہ یہ لوگ بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے اور ان کے قبیلے کے سردار کو 'راجہ' کہا جاتا تھا۔اس قوم کے لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ا۔آریائی دیوتاؤں

کے خدام اور پجاری۔ انھیں 'برہمن' کہا جاتا تھا۔ ۲۔ سردار اور جنگجو افراد۔ انھیں 'کشتریہ' کہا جاتا تھا۔ ۳۔ عام اور تاجر لوگ، جو پہلے دونوں طبقوں کے خادم ہوتے تھے۔ انھیں 'ویش' کہا جاتا تھا۔

اپنے ابتدائی دور سے گزرنے کے بعد جب آریا قوم ہندستان میں داخل ہوئی تو اسے یہاں بت پرست قوم اور ثقافت سے آشنائی ہوئی اور آہستہ آہستہ اس قوم میں بھی بت پرستی کا رواج عام ہو گیا جس سے ہندو مذہب یا ہندو دھرم وجود میں آیا۔ اس ملاپ کی وجہ سے ویدوں کی روایات اور قدیم مقامی روایات ہندو مذہب کا حصہ بنتی چلی گئیں اور ہندو مذہب کا وجود اس خطے میں پھیلتا چلا گیا۔

ہندو مذہب کے حوالے سے دیکھا جائے تو ہندو محققین اس دھرم کا اصل نام 'سناتن دھرم सनातन धर्म' یا 'وید دھرم वेद धर्म' بیان کرتے ہیں۔ سناتن کے معنی جدید ہندی لغت میں یوں بیان ہیں:

> "सनातन: (سَ۔نا۔تَن)(مذ۔اسم۔س) زمانہ قدیم۔ شو کا ایک لقب۔ وشنو کا ایک لقب۔ برہما کا ایک فرزند۔ ایک عابد کا نام۔ (ص۔س) کہنہ۔ قدیم۔ ابتدائی۔ ہمیشہ کا۔ رسمی۔ सनातनधर्म (سَ۔نا۔تَن۔دَھرم) (مذ۔اسم۔س) قدیم مذہب۔ ہندو مذہب۔"(9)

جب کہ وِید کے معنی درج ہیں:

> "वेद (وید) (مذ۔اسم۔س) ہنود کی چار آسمانی کتب۔ ایک قسم کی نظم۔ شرح۔ آمدنی۔ علم۔ الہام۔ چار کا عدد۔ وشنو کا ایک نام۔ احساس۔ احکامِ دین۔"(10)

دھنن جے داس سناتن دھرم کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> "سناتن دھرم اس عمل سے مراد ہے جو بدلا نہیں جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر پانی سے اس کی سیلانی کیفیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ نہ آگ سے گرمی کو الگ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دائمی جاندار کا دائمی عمل اس سے نہیں چھینا جا سکتا۔ سناتن دھرم دائمی طور سے جاندار میں سمویا ہوا ہے۔ اس لیے جب ہم سناتن دھرم کے بارے میں کہتے ہیں تو شری پادر امانج آچاریہ کی تعریف کو طے شدہ امر سمجھنا چاہیے کہ سناتن دھرم کا نہ شروع ہے اور نہ ہی آخر۔"(11)

قبل ازیں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ہندوؤں کا کوئی ایک بانی نہیں ہے جسے اس مذہبی نظام میں مرکزی اہمیت حاصل ہو۔ ہندوؤں کے مذہبی نظام کی تشکیل میں لاتعداد افراد کا حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کی قدیم کتب میں بھی کسی واضح عقیدے، مذہبی قانون یا ثقافت میں یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے۔ عقاید کی یہ رنگارنگی اور دیوی دیوتاؤں کی کثرت نے اس مذہب میں ہمہ اوستی کے عقیدے کو فروغ دیا ہے۔ ہمہ اوستی یعنی 'سب کچھ وہی ہے'، ہندوؤں میں فروغ پانے والے اس عقیدے کے بارے میں محمد اظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"ہندو مذہب میں معبودوں کی کثرت کا اس کے ہمہ اوستی نظریے سے گہرا تعلق ہے۔ ہمہ اوستی عقیدہ یہ ہے کہ تمام دیوتا اور سارے مظاہر فطرت مثلاً ہوا، آگ، پانی، دریا، زلزلے اور وبائیں ایک واحد قوتِ حیات کے مختلف ظہوروں کا نتیجہ ہیں۔ خود انسان ایک طرف ہے جس میں یہ قوتِ حیات رواں دواں ہے۔ فطرت اور خدا ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ اس لیے فطرت ذی حیات یا بے جان فطرت کی پرستش خدا کی پرستش ہے۔"(12)

اسی ہمہ اوستی عقیدے پر ہندو آج بھی عمل کرتے ہیں۔ لیکن فرق صرف یہ آیا ہے کہ موجودہ عقاید میں ایک ایشور کے بجائے ہندو تین خداؤں کو مانتے ہیں جسے ان کی مذہبی کتب میں تری مورتی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جن کے نام (۱) برَہما (۲) وِشنو (۳) شِو، ہیں۔ ہندی اردو لغت میں تری مورتی کے حوالے سے درج ہے:

"त्रिमूर्ति (ترِی۔مور۔تِی) (مذ۔اسم۔س) تین دیوتا یعنی برہما، وِشنو اور مہیش۔ سورج۔ برَہم کی ایک قدرت یا طاقت۔ بودھوں کی ایک دیوی۔"(13)

برَہما، ہندو عقیدے میں اس دنیا کا خالق ہے جس نے عالم کو عدم سے نکال کر وجود کے دائرے میں داخل کیا۔ ہندوؤں کے یہاں برَہما صرف کائنات کے لیے نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتا ہے اس کے علاوہ اُس کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وِشنو، دیوتا کو موجودہ ہندو عقیدے میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وِشنو ربوبیت کے فرائض انجام دیتا ہے یعنی کائنات کی حفاظت کرنے اور پالنے والا۔ وِشنو کے حوالے سے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس نے کائنات کی حفاظت کے ضمن میں اب تک کئی بار مختلف اوتاروں مثلاً متسیا، کورم، وارہ، نرسنگھ، وامن، پرشورام، دشرتھ رام، کرشن اور بدھ وغیرہ کی شکل میں جنم لیا ہے۔

شِو، جسے مہیش یا مہادیو ایشور بھی کہا جاتا ہے۔ یہ فنا اور موت کا دیوتا مانا جاتا ہے۔ یعنی یہ زندگی کی پُرانی صورتوں کو ختم کرتا ہے اور پھر ان کو نیا جنم دیتا ہے۔ ہندوستان کے زیادہ تر سنیاسی اور درویش اس کے پرستار ہیں۔ اس عقیدے کی بھی مزید ذیلی کئی شاخیں ہیں۔

ہندو مذہب کی طرح ان کی مذہبی کتب کو بھی کسی ایک شخص سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہندوؤں کی قدیم ترین کتب جو آریا مذہب سے تعلق رکھتی ہیں انھیں "وید" کہا جاتا ہے۔ وید کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ اسے کئی رشیوں اور منیوں نے مل کر تخلیق کیا ہے۔ لفظ وید کا مصدر "وِد" ہے جو سنسکرت کا لفظ ہے جس کا معنی علم، عقل، جاننا، سوچنا سمجھنا، غور و فکر کرنا، موجود ہونا اور حاصل کرنا وغیرہ ہے۔ "وید" کا لفظ خود ویدوں میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ تقریباً دو ہزار سال کے عرصے میں ہندوؤں نے علوم اور رسوم سے متعلق جو مواد جمع کیا اسے "وید" کا نام دے دیا گیا اور یہ ہندو مذہب کا صحیفہ قرار پایا۔ بعد ازاں تمام ہندو

مصنفین ان کا حوالہ دیتے رہے اور اسے مستند حوالہ سمجھتے رہے۔ محققین کے مطابق وید کے زمانہ تخلیق کا کوئی مخصوص عہد نہیں ہے اور وید کی تخلیق تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح تک ہوتی رہی ہے۔

بنیادی طور پر ویدی ادب کی کتب کی تعداد چار ہے۔

۱۔رِگ وید: رِگ وید قدیم ترین وید ہے جس میں دس ہزار کے قریب منتر یا مناجاتی گیت شامل ہیں جو تمام نظم کی صورت میں ہیں۔ یہ گیت اور منتر ہندو خداؤں کی تعریف اور ان کی بڑائی کو بیان کرتے ہیں۔اس کے علاوہ ان ویدوں میں مناجات بھی مانگی گئی ہیں۔

۲۔یجُروید: یجُر وید ان منتروں کا مجموعہ ہے جو ہندو اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی کے دوران پڑھتے تھے۔ یہ وید مکمل طور پر رِگ وید سے ماخوذ ہے۔

۳۔سام وید: سام وید میں وہ راگ اور گیت شامل ہیں جو پروہتوں کی طرف سے قربانی کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔اس کے بھی اکثر گیت رِگ وید سے ماخوذ ہیں۔اس وید کی تاریخی اہمیت نہایت کم درجے کی ہے۔

۴۔اَتھر وید: اَتھر وید میں تقریباً چھ ہزار منتر اور گیت شامل ہیں جن میں سے چار فی صد رَگ وید سے ماخوذ ہیں۔اس وید کا آدھا حصہ نظم جب کہ آدھا حصہ نثر پر مشتمل ہے۔اس وید کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں عقیدہ ہمہ اوست کی تعلیم دی گئی ہے۔علاوہ ازیں اس میں دیوتاؤں کی عبادت میں کی جانے والی رسوم کا ذکر ملتا ہے۔رِگ وید کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اسی وید کی ہے۔

درج بالا ہر ویدی کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے جس کا ایک حصہ منتروں اور بھجنوں پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے حصے میں مذہبی رسوم کی ادائیگی کے طریقے اور ہدایات دی گئی ہیں۔اس کے علاوہ سنیاسیوں کے لیے ہدایت نامہ اور کچھ حصہ اُپنشد کا بھی اس میں موجود ہے۔ویدک ادب کے ان چاروں حصوں کا یہاں اجمالاً ذکر کیا جارہا ہے۔(۱)سنہتا۔(۲)بَرہمن۔(۳)آرنیکا۔(۴)اُپنشد

۱۔سنہتا: سنہتا ویدک ادب کا اولین حصہ ہے۔جس کے منتر خاص طور پر آریائی دیوتاؤں کی شان میں کہے گئے ہیں۔علاوہ ازیں اس میں بھجنوں اور گیتوں کا بھی بیان ملتا ہے۔

۲۔بَرہمن: دوسرے حصے کا نام برہمن ہے جس میں مذہبی رسم رواج، آدابِ زندگی، یگیہ اور ہون کے طور طریقے کا مفصل بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ آرنیکا: تیسرے حصے کو آرنیکا کہا جاتا ہے۔اس جُز میں مذہبی اور سرّی رجحانات کے بیان تفصیل سے پائے جاتے ہیں۔

۴۔اُپنشد: اُپنشد کو ویدانت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ویدک ادب کا آخری حصہ ہے۔ ان ویدوں پر تقریباً ایک ہزار ایک سو اسّی (۱۱۸۰) شاکھائیں اُپنشدوں کی سنسکرت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن عہدِ حاضر میں اُپنشدوں کی بارہ شاکھائیں ملتی ہیں۔ جو حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ایشیا واسیہ(ईषावास्य) ۲۔کین(केन) ۳۔کٹھ(कठ) ۴۔پرشن(प्रश्न)۵۔منڈک(मुण्डक)
۶۔ماڈوکیہ(माण्डूक्य)۷۔تیتریہ(तैत्तिरीय)۸۔ایتریہ(ऐतरेय)۹۔چھاندوگیہ(छान्दोग्य)
۱۰۔برہدارنیک(बृहदारण्यक)۱۱۔کوشیتکی(कौषीतकि)۱۲۔شویتاسوتر(श्वेतासूत्र)

مکتوپنشد(मुक्तिकोपनिषद)کے مطابق ایک سو آٹھ اُپنشد ہیں۔ یہ اُپنشد مذہبی سوالات اور جوابات پر مبنی ہیں جو خفیہ مجالس میں اُٹھائے گئے ہیں۔ چاروں ویدوں کے چار اُپ وید بھی ہیں۔ رِگ وید کا آیور وید، یجر وید کا دھنر وید، سام وید کا گاندووید اور اتھر وید کا شلپ وید(शिल्पवेद)یا شوکرم شاستر ہے۔[14]

ویدوں کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبد الحق لکھتے ہیں:

"اس وقت جو وید موجود ہیں ان کے متن کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔ چوں کہ یہ زبانی یاد کرائے جاتے ہیں اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے ہیں اس لیے اختلافات کا پیدا ہو جانا غیر متوقع نہیں تھا۔ ایک روایت کے مطابق رِگ وید کے اکیس ۲۱ مختلف نسخے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق رِگ وید کے پانچ، یجر وید کے بیالیس، سام وید کے ایک ہزار اور اتھر وید کے بارہ نسخے ہیں۔۔۔ویدوں کی تاریخِ تصنیف کے بارے میں کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کی جاسکتی۔ تاہم یہ امر مُسلمہ ہے کہ ان کا شمار دنیا کے قدیم ترین ادب میں ہوتا ہے۔ کوئی اسے چودھویں صدی قبل مسیح کی تصنیف کہتا ہے، کوئی اس سے بھی زیادہ قدیم سمجھتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ بہت بعد کی تصانیف ہیں۔"[15]

غرض ویدی ادب صرف ہندوستان کی تہذیب و ثقافت میں ہی مرکزی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ دنیا کی جس زبان میں اس ادب کے تراجم کیے گئے ہیں ان میں اس ادب کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ ویدی ادب کے بعد ہندی ادب میں موجود دیومالائی قصّوں کے اہم اور اولین ماخذ میں درج ذیل کتب کو اہمیت دی جاتی ہے اور یہی کتب ہندی کے داستانوی ادب کے اولین ماخذ بھی ہیں۔

۱۔رزمیہ نظموں کی اہم کتب: راماین اور مہابھارت ۲۔پُران: یعنی پُرانی روایات کی کتب ۳۔جاتک کہانیاں ۴۔پانچ تنتر: یعنی پنچ تنتر ۵۔ہتوپدیش ۶۔کتھاسرت ساگر

رامائن، مہابھارت، پُران اور ذیلی کہانیاں جاتک، پانچ تنتر ہتوپدیش اور کتھاسرت ساگر کا اجمالاً تعارف اور جائزہ ذیل میں پیش کیا جائے گا کیوں کہ ہندو مذہب کی ان کتب میں موجود دیومالائی قصّے، کہانیاں اور

داستانیں دنیا کی کئی زبانوں کے ادب میں رواج پا چکے ہیں اور آج ان کا ادبی سرمایہ کہلاتے ہیں۔ خصوصاً اردو زبان کے داستانوی ادب کے فروغ میں ان قصّے کہانیوں کا بہت عمل دخل رہا ہے۔ یہ قصّے تراجم کے ذریعے اردو زبان میں منتقل ہوئے اور آج یہ اردو کے داستانوی ادب کا حصہ شمار کیے جاتے ہیں۔

ویدی ادب کے بعد ہندو ادب کی اہم تصنیف راماین ہے۔ جدید ہندی اردو لُغت میں لفظ راماین کے تعارف میں درج ہے:

"راماین (रामायण) (رَا۔مَا۔یَن) (مذ۔اسم۔س) رام چندر کی سوانح حیات پر مبنی کتاب۔"[16]

راماین ہندوؤں کی مذہبی کتاب، جو اولاً سنسکرت زبان میں، ایک طویل رزمیہ نظم کی صورت میں تحریر کی گئی جس کا مقصد ہندو مذہب کی تعلیمات کا فروغ تھا۔ یہ کتاب ہندو مذہب کا تاریخی صحیفہ مانی جاتی ہے۔ راماین کے تعارف اور سنِ تصنیف کے بارے میں مختلف آرا ملتی ہیں۔ اس کا قدیم ترین اور اہم مصنف والمیکی بتایا جاتا ہے۔ والمیکی کے بارے میں جدید ہندی اردو لغت میں درج ہے:

"والمیکی: वाल्मीकि (وَال۔مِی۔کِی) (مذ۔اسم۔س) راماین کے مصنف ایک مُنی کا نام۔"[17]

وجیندر سناتک 'ہندی ادب کی تاریخ' میں راماین کے تعارف اور عہدِ تصنیف اور قدر و منزلت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"رام کاویہ کی روایت کا آغاز اور ارتقا کی تفہیم کرنے والے اہلِ علم کے مطابق رام مابعد ویدک عہد کے عظیم المرتبت ہیں۔ ویدوں میں کچھ جگہوں پر رام کا لفظ استعمال ضرور ہوا ہے لیکن اس کے معنی دشرتھ کے بیٹے رام کے نہیں بلکہ بے حد اہم اشخاص میں سے ہے۔ دستیاب شواہد کی بنا پر بالمیکی راماین کو ابتدائی شاعری مان کر رام کتھا کا بنیادی سرا قبول کیا جاتا ہے۔ مغربی مفکرین نے اس کا عہد تصنیف گیارھویں صدی ق۔م سے لے کر تیسری صدی ق۔م کے درمیان قبول کیا ہے۔ جرمن دانشور شلیگل اس کا عہد تصنیف گیارویں صدی ق۔م، ڈاکٹر یاکوبی چھیویں اور آٹھویں صدی ق۔م کے درمیان، ڈاکٹر کیتھ چوتھی صدی ق۔م، اور ڈاکٹر ونٹر نٹز تیسری صدی ق۔م قبول کرتے ہیں۔ اس کے عہد تصنیف کے بارے میں اختلافِ رائے ہوتے ہوئے بھی بیشتر اہلِ علم کے مطابق اس کی تخلیق مہاتما بُدھ کے اوتار سے قبل ہو چکی تھی۔ کیوں کہ اس میں گوتم بُدھ کے اوتار کا ذکر نہیں ہے۔ بالمیکی راماین کی دکشناتیہ، بوڑی اور پچھم اتری تین باب دستیاب ہوتے ہیں اور ان میں ملک اور عہد کے رخنہ کی وجہ سے کافی

تفریق ہے۔اس آدی کاویہ میں رام کی عکاسی بہترین اور غیر معمولی خوبیوں سے مزین ماورا عظیم المرتبت کے روپ میں ہوئی ہے۔"(18)

راماین سنسکرت زبان کا وہ کلاسیک ہے جو ہندو مذہب میں صحیفہ کا درجہ رکھتا ہے۔درج بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے دنیائے ادبیات میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس رزمیہ کو دنیا کی کئی زبانوں میں منتقل کیا جاچکا ہے۔اردو زبان میں بھی اب تک راماین کے سیکڑوں منظوم اور منثور تراجم کیے جاچکے ہیں۔اردو زبان میں ابتداً سند کے اعتبار سے بہترین تراجم منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئے۔ان تراجم میں شنکر دیال فرحت کا منظوم ترجمہ جو ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا۔ سند کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔اس ترجمے کی خوبی یہ تھی کہ یہ ترجمہ دراصل بنیادی ماخذ یعنی والمیکی کی راماین سے براہ راست کیا گیا تھا اور اس کی زبان بھی سادہ اور سلیس رکھی گئی تھی۔بعد ازاں بہت سے تراجم اسی کو بنیاد بنا کر کیے گئے۔انیسویں صدی کے آغاز میں اسی ادارے سے دوسرا اہم ترجمہ دوارکا پرساد افق لکھنوی کا ہے۔جو ۱۸۰۴ء میں کیا گیا۔یہ ترجمہ بھی منظوم تھا اور اس کو بھی والمیکی کی راماین سے اخذ کیا گیا تھا۔

روایات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ راماین کے اولین اور مستند تخلیق کار کا نام والمیکی ہے جو مُنی اور سنسکرت زبان کا شاعر تھا۔اگرچہ ویدوں میں بھی اس قصے کے چند حصے ملتے ہیں لیکن کوئی بھی محقق ان حصوں کو رام جی کے حوالے سے مستند تسلیم نہیں کرتا ہے۔زیادہ مستند والمیکی کی راماین کو ہی مانا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی تاریخی کتب میں یہ بیان ملتا ہے کہ والمیکی نے راماین کو تاریخی رزمیہ کے طور پر تخلیق کیا تھا۔یہ رزمیہ اعلیٰ تہذیبی اقدار اور اخلاقیات کی نمائندگی کرتا ہے۔مترجم والمیکی کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ رام جی جب چودہ سال کا بن باس کاٹ کر واپس ایودھیا آئے تو انھوں نے مُنی والمیکی کے آستانے پر اپنی باقی ماندہ زندگی گزاری اور رام کے دونوں بیٹوں کی تربیت بھی مُنی والمیکی نے ہی کی۔بعد ازاں انھوں نے رام کی زندگی کی کتھا کو نظمیہ روپ میں تحریر کر دیا۔

اگرچہ اس روایت کا کوئی تاریخی اور مستند حوالہ نہیں ملتا ہے۔لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جب ہم والمیکی کو اس رزمیے کا پہلا مستند خالق مان سکتے ہیں تو یہ قیاس بھی قرین ہے کہ اس نے رام کو دیکھا ہو گا یا اس کے عہد کے قریب تر کا واقعہ ہو گا۔والمیکی کی راماین کو ایک دوسرے حوالے سے بھی اہم اور مستند خیال کیا جاتا ہے کہ اردو زبان میں اب تک راماین کے جتنے بھی منظوم یا منثور تراجم کیے گئے ہیں وہ اسی کو بنیاد بنا کر کیے گئے ہیں۔

رام کتھا میں،رام کا کردار مرکزی ہے۔جسے عظمت کی اُونچائیوں پر دکھایا گیا ہے۔یہ کردار نیک روحانی اقدار کے تحفظ کی خاطر ابلیسی قوتوں سے جنگ میں فتح یاب ہوتا ہے۔کتھا میں رام کے معاون کردار بھی

رام ہی کے پیروکار یعنی اسی کے کردار کی ترجمانی کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔جب کہ راون کو ابلیسی قوتوں کا مالک اور بُرائی کا نمائندہ بنا کر پیش کیا گیا ہے اور اس کے ساتھی کردار بھی اس کی عکاسی کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں جو صرف بُرائی کی طرف ہی راغب ہوتے ہیں۔

اس کتھا کو والمیکی نے سات ابواب یا حصّوں میں پیش کیا ہے۔ان ساتوں ابواب کے عنوانات بھی تحریر کیے ہیں۔یہاں اس کتھا کا مختصر خاکہ انھیں عنوانات کے تناظر میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۱)۔بال کانڈ (۲)۔اجودھیا کانڈ(۳)۔آرنیہ کانڈ(۴)۔کشکندھا کانڈ (میسور کانڈ) (۵)۔سندر کانڈ (۶)۔یدھ کانڈ یا لنکا کانڈ(۷)۔اُتر کانڈ

راماین ایک طویل نظمیہ قصّہ ہے جس کا شمار دنیا کے اہم رزمیہ میں ہوتا ہے۔خصوصاً ہندو مذہب میں اسے اس کی معنویت کے لحاظ سے آفاقی اہمیت حاصل ہے۔اس رزمیہ میں رام کو انسان کی روحانی اور معاشرتی اقدار کے تحفظ کے لیے لڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔آسان لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس قصّے کا بنیادی نکتہ، خیر وشر میں سے خیر کی فتح کو دکھانا مقصود ہے۔اس قصے کے مرکزی کردار رام اور راون، خیر اور شر کی علامت ہیں۔

رام بھگوان، سچائی، نیکی، بھلائی، آگہی اور روحانیت کے بلند درجے پر متمکن دکھایا گیا ہے۔جو دنیا میں نیک اعمال کے پرچار کے لیے بھیجا گیا ہے۔جب کہ راون برائی، بدی اور ابلیسیت کی نمائندگی کرتا ہے۔وہ دنیا کو اپنی تمام تر منفی سوچوں کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔درحقیقت رام اور راون کی جنگ روحانیت اور ابلیسیت کی نمائندگی کرتی ہے جس میں بالآخر روحانیت کو فتح نصیب ہوتی ہے۔اس رزمیے سے یہ سبق ملتا ہے کہ دنیا میں ابلیسیت چاہے جس درجے پر بھی پہنچ جائے فتح ہمیشہ حق، سچ اور خیر کی ہوگی۔

راماین میں رام کے کردار کی آفاقیت کے تناظر میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے بانگِ درا کے تیسرے حصے میں ہندوستان خصوصاً ہندو مذہب میں رام کے مقام اور مرتبے کو نظم بعنوان 'رام' میں کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے:

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند — سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند
یہ ہندیوں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر — رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بامِ ہند
اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت — مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نامِ ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز — اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی — روشن تراز سحر ہے زمانے میں شامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا، شجاعت میں فرد تھا — پاکیزگی میں، جوشِ محبت میں فرد تھا[19]

راماین کے بعد ہندو مذہب کی اہم تصنیف مہا بھارت کو مانا جاتا ہے۔ ذیل میں مہابھارت کا تعارف، سنِ اشاعت، اور اس کے مصنف بارے مختلف مورخین کی آرا کو پیش کیا جا رہا ہے تاکہ تجزیہ کیا جاسکے کہ مہابھارت کا ہندو مذہب اور اس کے ادب میں کیا مقام ہے۔

مہابھارت کے لغوی مفہوم کے حوالے سے جدید ہندی اردو لغت میں تحریر ہے:

> "(महाभारत)۔(مَ۔ہاَ۔ھا۔رَت) (مذ۔اسم۔س)۔ایک رزمیہ جس میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائی کا ذکر ہے۔ عظیم نظم۔"[20]

ڈاکٹر ہزاری پرساد دوویدی مہابھارت کے مفہوم بارے لکھتے ہیں:

> "لفظ 'مہابھارت' کا مفہوم جنگِ عظیم سے ہے۔ کیوں کہ پانِنی (पाणिनी) (۵۶۔۲۔۴) کے نزدیک 'بھارت' کے معنی جنگ ہوتا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ 'بھارت' کا تعلق بھرت خاندان سے ہے۔ کیوں کہ مہابھارت میں ہی اس کی کتھا کو 'مہابھارت یودھ' (۸۔۸۱۔۱۴) اور 'مہابھارتاکھیانم' (महाभारताख्यानम) (۳۹۔۶۲۔۱) کہا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ 'مہابھارت' اختصار میں کہہ دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے پنڈتوں نے 'مہابھارت' سے مراد 'بھرت خاندان کی جنگوں کی داستان لیا ہے۔ مہابھارت کے نام کے سلسلے میں ایک قصّہ یوں درج ہے کہ ایک بار سبھی دیوتاؤں نے چاروں ویدوں کو میزان کے ایک پلڑے پر مہابھارت کو رکھ کر تولا۔ جس میں مہابھارت بھاری نکلا۔ اس لیے 'مہان اور بھارواں' (भारी) ہونے کی وجہ سے یہ 'مہابھارت' کہا جانے لگا۔"[21]

مہابھارت کے اجمالاً تعارف میں ڈاکٹر اجے مالوی لکھتے ہیں:

> "مہابھارت رزمیہ تصنیف ہے، جس کے مصنف وید ویاس جی ہیں۔ اس میں بھرت خاندان کے افراد یعنی کوروؤں اور پانڈوؤں کے حالاتِ زندگی کا بیان کیا گیا ہے۔ 'مہابھارت' ثقافتی، مذہبی و تاریخی صحیفہ ہے۔"[22]

یہ واضح ہے کہ ہندوستان کے تاریخی اور تہذیبی ورثے میں مہابھارت ایک لافانی مذہبی صحیفہ ہے۔ جس میں ہندو مذہب کی تاریخی جنگ کے حالات و واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ اس جنگ کے وقوع پذیر ہونے کا عقیدہ ہندو مذہب میں ہے۔ دنیائے عالم کی تاریخ میں اس حوالے سے مستند تاریخی شواہد نہیں ملتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہندوستان میں بسنے والی ہندو قوم میں کوئی آپسی خاندانی جنگ ہوئی ہو جس کے قصے لوگوں کی زبان پر ہوں۔ بہرحال ہندو مذہب میں اسے مقدس صحیفہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ مورخین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ اس کے مصنف وید ویاس ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعد

کے وقت میں جن مصنفین نے بھی اس قصے کو تحریر کیا ہے انھوں نے اس میں ضرورر دوبدل کیا ہو گا۔اس لیے مورخین اس کے مصنف کے حوالے سے متضاد آرار کھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے زمانہ تصنیف کا تعین کرنا بھی قیاس پر مبنی ہے۔

اس رزمیے کو ہندوستانی علوم وفنون کا معارف بھی کہا جاتا ہے۔اس کی مقبولیت کے پیشِ نظر راماین کی طرح مہابھارت کے تراجم بھی سنسکرت زبان سے دنیا کی دیگر زبانوں میں کیے جا چکے ہیں۔ اولاً مہابھارت کے عربی زبان میں تراجم عباسی خلفا کے عہد میں ہوئے جب وہ ہندوستانی علما سے دنیا کے اہم علوم وفنون کے تراجم کروا رہے تھے اور بعد ازاں فارسی تراجم عہدے اکبری میں ہوئے۔

مورخین کی اکثریت کے مطابق مہابھارت کی جنگ جو ۳۰۸۰ قبل مسیح میں لڑی گئی تھی۔یہ جنگ آریائی نسل کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان سلطنت وحکومت اور زمین کے لیے تھی۔اس جنگ کے فریقین آپس میں چچازاد بھائی تھے۔اس رزمیہ کو ہندوستان کی طویل ترین جنگ بھی کہا جاتا ہے جو ۱۸ دنوں تک جاری رہی۔اس رزمیہ کی اکثر مہمات اپنشد سے ماخوذ ہیں۔ہندو مذہب کے تناظر میں دیکھا جائے تو مہابھارت کتھا میں وِشنو دیو کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اور اسے بَرہما تسلیم کیا گیا ہے۔مہابھارت میں فلسفہ تناسخ پر زور دیا گیا ہے اور بَرہما، وِشنو اور خاص طور سے کرشن کو اہمیت دی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جنگ کے دوران کرشن جو ارجن کا رتھ بان تھا اور ان دونوں کے درمیان ہونے والے مکالمات کو ایک الگ تخلیقی صورت دی گئی۔یہ کتاب بھگوت گیتا کے نام سے مقبول ہوئی۔اس کتاب کو ہم مہابھارت کی توسیع کہہ سکتے ہیں۔

مہابھارت کتھا کو دنیا کا سب سے بڑا رزمیہ کہا جاتا ہے جو تقریباً ایک لاکھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس رزمیے میں جنگ کے واقعات کو نظم کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔مورخین کے مطابق اس رزمیے کی تخلیق کا مقصد ویدی علم کی توسیع تھا۔مہابھارت کے مصنف وید ویاس نے اسے تحریر کرتے ہوئے اٹھارہ ابواب یا حصوں میں منقسم کیا ہے۔ان حصوں کا مختصر خاکہ مع عنوان ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

۱۔آدی پرو:۲۔سبھا پرو۳۔بن پرو۴۔وراٹ پرو۵۔ادیوگ پرو۶۔ بھیشم پرو۷۔درون پرو۸۔کرن پرو ۹۔شل پرو ۱۰۔سوپتک پرو،۱۱۔استری پرو۱۲۔شانتی پرو ۱۳۔انوشاسن پرو۱۴۔اشومیدھ پرو ۱۵۔آشرم واسک پرو ۱۶۔موسل پرو۱۷۔مہاپراستھانک پرو۱۸۔سرگاروہن پرو

مہابھارت رزمیے کی ہندو مذہب میں آفاقیت اور کلاسکیت سے کسی بھی مورخ نے انکار نہیں کیا ہے۔بعض تو اسے راماین سے زیادہ اہم صحیفہ تسلیم کرتے ہیں۔مہابھارت کے مرکزی کردار کرشن دیو کی روحانی تعلیمات، معاشرے میں امن کا پیغام اور اعلیٰ مذہبی روایات کی پاسداری کا پرچار اس کی شخصیت کے اہم اوصاف

ہیں اس وجہ سے مہابھارت کو ہندو مذہب میں خاص مقام حاصل ہے۔بلکہ ادب کے حوالے سے اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے کیوں کہ محققین اسے ہندوستان کی تہذیب اور ثقافت کا اعلیٰ ادبی شاہکار تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذہبی صحائف میں راماین، مہابھارت اور بھگود گیتا کے بعد جن قصوں کو آفاقی حیثیت حاصل ہے ان میں وہ کہانیاں شامل ہیں جو پُران، جاتک اور پانچ تنتر کے نام سے سنسکرت کا کلاسیک ادب کہلاتی ہیں۔ان قصوں کے مآخذ پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر پرکاش مونس لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں رِگ وید۔براہمن۔اُپ نشد اور مہابھارت میں متعدد کہانیاں ملتی ہیں۔ویدک ادب ڈھائی اور دو ہزار قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔رِگ وید جو مسلمۂ دنیا کی قدیم ترین مکمل کتاب ہے ایک ہزار ق۔م سے بعد کی نہیں ہے۔اس میں تقریباً سو کہانیاں ہیں۔براہمن گرنتھوں میں بھی بہت سی کہانیاں آتی ہیں۔اُپ نشد کی تاریخ آٹھ سو ق۔م کے قریب کہی جاتی ہے۔مہابھارت کے مختلف حصے مختلف اوقات میں لکھے گئے جو عام طور پر پانچ چھ صدی ق۔م کے ہیں۔مہابھارت میں جگہ جگہ خصوصاً بارھویں اور پندرھویں حصے یعنی شانتی پرو اور انوساسن پرو میں کثرت سے ضمنی کہانیاں آتی ہیں۔پُرانوں کو تو ہم آسانی سے دھارمک کتھاؤں کا مجموعہ ہی کہہ سکتے ہیں۔"(23)

مشرقی اساطیری ادب کے اس سرمایہ کے اثرات اردو زبان کے داستانوی ادب پر بہت نمایاں ہیں ۔ڈاکٹر پرکاش مونس پنچ تنتر کے سن تصنیف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جاتک کے بعد کہانیوں کی سب سے مشہور سنسکرت کتاب 'پنچ تنتر' ملتی ہے جس کا مصنف وشنو شرما ہے۔چوں کہ اس میں چانکیہ کا ذکر موجود ہے اس لیے یہ تین سو ق۔م سے پہلے کی نہیں ہو سکتی۔"(24)

ڈاکٹر گیان چند جین پنچ تنتر کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"پنچ تنتر میں چانکیہ کا ذکر ہے جس سے یہ تو ثابت ہو ہی جاتا ہے کہ یہ ۳۰۰ ق م میں کشمیر میں لکھی گئی لیکن بعد میں ڈاکٹر ونٹینٹز کے ساتھ اس کا زمانہ تصنیف ۳۰۰ء تسلیم کیا۔محققین اس کا مصنف وشنو شرما کو مانتے ہیں۔صرف بین نے کا خیال ہے کہ وشنو شرما فرضی نام ہے۔پنچ تنتر کا اصل متن نہیں ملتا۔دکنی ہند نیپال اور کشمیر وغیرہ میں مختلف نسخے ملتے ہیں۔"(25)

پنچ تنتر کے اصل سنسکرت متن کے تعارف میں مورخین اور محققین نے زیادہ تر قیاسی تحقیق سے استفادہ کیا ہے کیوں کہ اصل سنسکرت متن دستیاب نہیں ہے۔پنچ تنتر یعنی پانچ شاستر یا پانچ حکمت و وظائف کے حصّے، جن کا مصنف وشنو شرما کو تسلیم کیا جاتا ہے۔انھوں نے رامائن، مہابھارت، چانکیہ اور اس عہد کے دیگر پرانوں میں شامل کہانیوں میں سے اخذ و استفادہ کر کے سنسکرت ادب میں پنچ تنتر نامی کلاسیک تخلیق کیا ہے۔جس

کا بنیادی مقصد ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا جانا اور لوگوں میں اخلاقیات کا درس عام کرنا تھا۔ اس قصے کو اگرچہ نثر میں تحریر کیا گیا ہے لیکن جابجا اشعار کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ ان کہانیوں کی غایت یہ ہے کہ پانچوں قصے ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک داستان کا تاثر دیتے ہیں۔

پنچ تنتر دراصل پانچ حصوں پر مشتمل کہانیوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جسے اس طور سے مرتب کیا گیا ہے کہ ہر کہانی کا تعلق دوسری کہانی سے جڑا ہوا ہے اور یہ تسلسل آخر تک برقرار رہتا ہے جو مکمل ہو کر ایک داستان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس داستان کی ہر جزوی کہانی میں مختلف واقعات کا بیان ملتا ہے جو اس کہانی کے کردار ایک دوسرے کو سناتے ہیں۔ پنچ تنتر سلسلے کے کردار حیوانات چرند و پرند پر مشتمل ہیں جو انسانوں کے انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ محو گفتگو ہوتے ہیں ان کی حرکات و سکنات اور احساسات تمام تر انسانوں کی طرح ہیں۔ ان میں خیر و شر، لالچ طمع، خود غرضی، حسد، نفرت، محبت غرض ہر لحاظ سے انسانی نفسیات کی جھلک نظر آتی ہے۔ سبق آموز ان قصوں کا آخر میں اخلاقی نتیجہ بھی بیان کیا گیا ہے جو کسی نصیحت پر مبنی ہے۔

پنچ تنتر کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان کے اس کلاسیک ادب کے دنیا کی کم و بیش تمام بڑی اور باثروت زبانوں مثلاً فارسی، عربی، لاطینی، ترکی، عبرانی، اطالوی، یونانی، اور انگریزی وغیرہ میں تراجم ہو چکے ہیں۔ ان تراجم کی تعداد سیکڑوں کے برابر تسلیم کی جاتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق ہندوستان کے اس کلاسیک کا شمار دنیا کے چند بڑے کلاسیک میں ہوتا ہے جسے دنیا میں ادبی لحاظ سے بہت زیادہ پذیرائی ملی ہے۔ اولاً اس کلاسیک کو ہندوستان سے باہر کی دنیا سے متعارف کروانے کا سہرا پہلوی زبان یعنی فارسی زبان کے سر جاتا ہے۔

پنچ تنتر کے بعد سنسکرت ادب کی اہم کتاب ہتوپدیش کو مانا جاتا ہے۔ ہتوپدیش کی کہانیاں پنچ تنتر پر مبنی ہیں یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہتوپدیش کا ماخذ پنچ تنتر ہے۔ اُپدیش سنسکرت کا اسم، مذکر لفظ ہے جس کے لغوی معنی بھلائی کے لیے نصیحت، وعظ، تلقین، نیک صلاح یا ہدایت کے ہیں۔ اس کتاب کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں:

> "ہتوپدیش پنچ تنتر پر مبنی ہے۔ اس کی ۴۳ کہانیوں میں سے ۲۵ پنچ تنتر سے لی گئی ہیں۔ عام طور پر مانا جاتا ہے کہ ہتوپدیش کسی نامعلوم کتاب اور پنچ تنتر سے مل کر بنا ہے۔ ہتوپدیش کی تمہید میں وشنو شرما کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس کا مصنف بھی وشنو شرما سمجھ لیا گیا تھا۔ لیکن پیٹرسن نے ایک قدیم نسخے کے مطالعے سے انکشاف کیا کہ اس کا مصنف نرائن بھٹ تھا۔ ہتوپدیش ۸۰۰ء سے پہلے کا نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس میں اُدا بھٹ سے کچھ نقل کیا گیا ہے۔ داخلی شہادت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۹۰۰ء سے بعد کا نہیں ہے۔"(26)

اُپدیش اور کتھا سرت ساگر کہانیوں کے مجموعہ کاماخذ بھی پنچ تنتر ہے۔لیکن ان کہانیوں کو وہ ادبی پذیرائی نہ مل سکی جو پنچ تنتر کے حصے میں آئی۔اُپدیش اور کتھا سرت ساگر سے مزید جو کہانیاں اخذ کی گئیں وہ انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج کے نصابات کے لیے تیار کی گئیں۔ کتھا سرت ساگر کہانیوں کے سلسلے کے زمانہ تصنیف کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں کہ ۱۰۸۱۔۱۰۶۳ء کے بیچ سوم دیو نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب کتھا سرت ساگر لکھی۔[27]

کتھا سرت ساگر کا اجمالاً جائزہ لیتے ہوئے شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"ادب کے علما اور مورخین نے کتھا سرت ساگر کو ایک زمانے کی تاریخ، اس تاریخ سے وابستہ سماجی کوائف اور معاملات کا ترجمان بھی بتایا ہے کہ اس کی مدد سے ہم اپنے ریت رواج، موسموں اور منظروں، عقیدوں اور واہموں کی تفصیل بیان کرسکتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ ہمارے عوامی ادب کے دھندلے گوشوں پر بھی اس سے بہت روشنی پڑتی ہے اس قسم کے رویوں کی رفاقت میں کتھا سرت ساگر کا تہذیبی، تاریخی، سماجی، اقتصادی اور عمرانیاتی مطالعہ یقیناً مفید اور معلومات افزا ہوگا۔"[28]

فی الحقیقت سنسکرت زبان سے اخذ شدہ ان تمام قصّے کہانیوں کو ہندوستانی ادب میں اہم مقام حاصل ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اردو زبان کے ارتقا میں ان قصّوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اردو زبان کے ادب میں یہ قصّے ناقابلِ فراموش سرمایہ ہیں۔علاوہ ازیں پنجابی زبان میں بھی ہندو صنمیات کے اثرات کافی حد تک نظر آتے ہیں۔اگرچہ دینِ اسلام میں درج بالا اساطیری ادبیات کے حوالے سے واضح پیغام دیا گیاہے لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک خطے میں طویل عرصے تک ایک ساتھ قیام اور ثقافتی طور پر یکجا میل ملاپ کی وجہ سے ہندو صنمیات کے اثرات ہماری مقامی لوک داستانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔اس حوالے سے خصوصی طور پر پنجاب کی معروف رومانوی داستان "ہیر رانجھا" کو دیکھا جاسکتا ہے۔یہ داستان پنجابی زبان وادب اور پنجاب کی ثقافت کا لافانی شاہ کار ہے جسے سیّد وارث شاہ نے ۱۱۸۰ھ (۶۷۔۱۷۶۶ء) میں تحریر کیا۔وارث شاہ کے طبع زاد شاعر ہونے میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اُن کی یہ عشقیہ داستان تمثیل نگاری و مرقع نگاری کا اعلیٰ نمونہ تسلیم کی جاتی ہے۔اس نظمیہ داستان میں انسان کے مادیت پرستی سے روحانیت کی طرف کے سفر کو بہت پُر گوئی سے بیان کیا گیا ہے۔

ہندو مائیتھالوجی کے تناظر میں سیّد وارث شاہ کی "ہیر" کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں اس داستان میں وہاں ہندو مائیتھالوجی کے اثرات نظر آتے ہیں جہاں 'ہیر' کے بیاہ کے بعد رانجھا ہیر کے پیغام پر جوگ کے لیے بالناتھ کے ٹلہ کی طرف عازمِ سفر ہوتا ہے تا کہ بالناتھ کے سائے میں جوگ لے سکے۔یوں بالناتھ حیل وحجت کے بعد اُسے اپنی شاگردی میں لے لیتا ہے۔بعد ازاں رانجھا جوگی کے روپ میں ہیر کے سسرالی گاؤں کی طرف

روانہ ہو جاتا ہے۔ داستان کے اس حصّے کو وارث شاہ نے بہت عمدگی سے نظم بند کیا ہے۔ جوگ کا یہ باب اس داستان کے نظمیہ حصّے ۲۵۳ تا ۲۹۰ پر مشتمل ہے۔ وارث شاہ نے اس حصّے میں اشعار کو رانجھے اور بالناتھ کے درمیان سوال وجواب کے مکالمہ کی صورت میں نظم بند کیا ہے۔ اس حصّے کے ابتدائیہ میں جب ناتھ رانجھا سے جوگ کی وجہ تسمیہ پوچھتا ہے تو جواب میں رانجھا کہتا ہے:

اِیہہ جگ مقام فنادائے سَبھا ریت دِی کندھ اِیہہ جیُونا اِیں
چھاؤں بدلاں دی عمر بنّدیاں دِی عزرائیل نیں پاڑنا سیُونا اِیں
اج کل جہان ہے سبھ میلا کسے نت نہ حکم تے تھیُونا اِیں
وارثؔ شاہ نے انت نوں خاک ہونا لکھ آبِ حیات جے پیونا اِیں

(ص ۱۷۲)

وارث شاہ نے ان اشعار میں دنیا کی بے ثباتی کا اظہار بہت عمدگی سے کیا ہے۔ اسی طرح جب جوگ کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد وارث شاہ رانجھے کی زبان میں کہتے ہیں کہ:

جدوں کرم اللہ دا کرے مدد بیڑا پار ہوجائے نمانِیاں دا
لَہنا قرض نہیں بُوہے جا بہیئے کیہا تان ہے اَساں نتانِیاں دا
میرے کرم سو لڑے آن پُہنچّے کھیت جمیّاں بھُنیاں دَانیاں دا
وارثؔ شاہ میاں وَڈّا وَید آیا سردار جے سَبھ سیانِیاں دا

(ص ۱۹۲)

درج بالا اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے کہ وارث شاہ جوگ کی منازل کو بہت خوبصورتی سے روحانیت کے لبادہ میں پیش کرتے ہیں۔ داستان کے اس حصّے کے تمام اشعار چاہے وہ ناتھ کے بیان میں ہوں یا رانجھے کے بیان میں، وارث شاہ کا یہی انداز جابجا نظر آتا ہے۔

الغرض درج بالا ہندستانی ادب کے مطالعہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنسکرت ادب سے ماخوذ و ملخص ادب جسے انسانی اخلاقیات کے لیے تصنیف کیا گیا، نے اردو اور پنجابی زبان و ادب کو باثروت کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی ادب کا تسلسل ہمیں ان دونوں زبانوں کے جدید ادب میں بھی نظر آتا ہے۔

References:

* PhD Scholor (Urdu), Insitute of Urdu Languae and Literature, Punjab University, Lahore

** MS in Islamic Studies, Lahore LEADS University, Lahore

1- Arzu Chudri Dr., Aalmi Dastanain (Lahore: Azeem Acadami, 1995)16.
2- Sohail Bukhari Dr,. Urdu Dastanain (Tahqiqi aor Tanqedi Mutala), (Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1987)30.
3- Finn Bevan, Mighty Mountains (The Facts and The Fables), (London: Children's Press , 1997) 31.
4- Rasheed Malik, Andalogy: Asateer, Funoon Magazine (Lahore: November-December,1989)19.
5- Abdul Haq Mahar Dr,. Hindu Sanmiat (Multan: Becon Box, 1993)1-2.
6- Muhammad Yousaf Khan, Taqabl-e-Adyan (Lahore: Baitul Uloom) 46.
7- Ibid, 45-46
8- Seeti Kumar Cheeter G, Hind Aaryai aor Hindi, Translation: Ateeq Ahmad Siddeqi (Delhi: Taraqi Beuro, 1983)8.
9- Naseer Ahmad Khan, Jadeed Hindi Urdu Lughat, Vol.II (Delhi: National Councial for Promotion of Urdu Language, 2005)2868.
10- Ibid, 2664
11- Dhans G. Das, Bhagavad Gita (Lahore: Nigarshat, 2019) 33-34
12- Muhammad Mazhar Deen Siddiqui, Islam aor Mazahib-e Aalam: Taqabli Mutala (Lahore: Idara-e-Saqafat-e-Islamia, 1997)2
13- Naseer Ahmad Khan, Jadeed Hindi aor Lughat, Vol.I (Delhi: National Councial for Promotion of Urdu Language, 2005)1244.
14- Ajay Malvi Dr., Vaid aor in ki Ahmiat, 154.
15- Abdul Haq Mahar Dr,. Hindu Sanmiat, 35-36.
16- Naseer Ahmad Khan, Jadeed Hindi Urdu Lughat, Vol.II, 2386
17- Ibid, 2560
18- Wajinder Sanatik, Hindi Adab ki Tareekh, Translation: Khursheed Alam (Delhi: Sahiya Acakademi, 1999) 76-77.
19- Allama Muhammad Iqbal, Kulyat-e-Iqbal, Collected by Ahmad Raza (Lahore: Ahl-e-Qalam, December 2005) 205.
20- Naseer Ahmad Khan, Jadeed Hindi Urdu Lughat, Vol.II, 2187
21- Hazari Parsad Dwivedi, Hindi Sahitya ki Bhoomika (Delhi: Raj Kamal Prakashan, 2019) 163
22- Ajay Malvi Dr., Urdu Mein Hindu Dharam, (Ala Abad: Ansari Afset, 2000) 176

23- Parkash Monis, Urdu Adab Par Hindi Ka Asar (Ala Abad: National Art Printers, 1978) 348
24- Parkash Monis, Urdu Adab Par Hindi Ka Asar, 348
25- Gyan Chand Jain Dr., Urdi ki Nasri Dastanen (Kerach: Anjum Taraqqi e Urdu Pakistan, 2014) 47
26- Ibid, 420-421
27- Ibid, 52
28- Ibid 37
29- Waris Shah, Heer Waris Shah, Translation: Prof. Hameed Ullah Hashmi (Lahore: Maktaba Daniyal 2000)172
30- Ibid, 192